# شیخ محمد عبدہ کی اصلاحی تحریک[1]

(جناب محمود الحق۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

انیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب دنیائے اسلام پر مغرب کا اثر و اقتدار بڑھا تو مسلم معاشرہ شدید بحران میں مبتلا ہو گیا۔ ایشیا کا وہ سماجی ڈھانچہ جو ازمنۂ وسطیٰ سے قائم تھا نشوو ارتقا کی ساری صلاحیتیں کھو چکا تھا اور یاس و مجہولیت کے سوا زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی مغرب کا طاقت ور صنعتی سماج جدید سائنس اور ٹیکنولوجی سے لیس تھا اور اس کی بنیاد نئی پیداواری قوتوں پر تھی۔ چنانچہ جب ان دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوا تو مسلم معاشرے کے کھوکھلے پن کا بےنقاب ہونا ناگزیر تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ واقعہ اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے بالکل نیا اور سابقہ تمام تجربوں سے مختلف تھا۔ اب زندگی کا کوئی پہلو مغربی اثرات کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ جہاں تک مذہبی زندگی کا تعلق ہے، مغربی علوم اور سائنس کی پیش قدمی نے مسلمانوں (خصوصاً جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقے) کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کر دیے اور ان کے مذہبی معتقدات متزلزل ہونے لگے۔ اب پیچ در پیچ مصدرات، منطقی اصطلاحات اور فقہی توجیہات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ سیاسی طور پر مسلم ممالک اپنے پڑوسی ایشیا کے دوسرے ممالک کی طرح عام طور پر مغربی استعمار کی جارحانہ سیاست کے شکار ہو گئے اور ان کی آزادی محکومی یا نیم محکومی میں منتقل ہو گئی۔

یہ تھا جدید اصلاحی تحریکات کا عام پس منظر۔ بہر حال اصلاح و تجدید کے تقاضے جس قدر شدید تھے علمائے اسلام نے انھیں اسی شدت سے نظرانداز کر دیا اور ازمنۂ وسطیٰ کی ان روایات ہی کی ترجمانی کرتے رہے جنھیں انھوں نے تقدس کا درجہ دے دیا تھا۔ ان قدامت پسندوں کا عقیدہ تھا کہ ماضی سے

---

[1] مجلہ علوم اسلامیہ (ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) سے شکریے کے ساتھ یہ مضمون نقل کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

جو کچھ ترکہ حاصل ہوا ہے وہ مقدس اور ناقابل تغیر رہے۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے "تحفظ دین" کے نام پر روشن خیالی اور فکری آزادی کی ہر کوشش کو ہدف ملامت بنایا۔ یہی وہ حالات تھے جب دنیائے اسلام کے متعدد گوشوں سے مسلم مصلحین نے آواز بلند کی اور مسلمانوں کو یاس و ناامیدی کی فضا سے نکالنے اور زندگی کی بدلی ہوئی قدروں کے مطابق نئے تقاضوں سے روشناس کرنے کے لئے اصلاحی تحریکوں کا آغاز کیا۔ ان اصلاحی تحریکوں میں شیخ محمد عبدہ کی تحریک کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے جدید اسلام کو انسان دوستی (HUMANISM) کی روایات سے متعارف کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔

محمد عبدہ کی تعلیمات کا تجزیہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشفق استاد اور مربی سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۹-۱۸۹۷ء) کا مختصر تعارف کیا جائے جنھیں نہ صرف شیخ محمد عبدہ کے اندر اصلاح و تجدید کا جذبہ پیدا کرنے میں بہت زیادہ دخل تھا[۱]، بلکہ جو مصر اور دنیائے اسلام میں قومی بیداری اور اصلاحی تحریکات کے سب سے بڑے محرک مانے جاتے ہیں۔ جمال الدین افغانی مسلم معاشرے کی مردہ رگوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑانا چاہتے تھے۔ اور اسی مقصد کے حصول میں انھوں نے اپنی ساری زندگی وقف کردی۔ جمال الدین افغانی کا خیال تھا کہ مسلم ممالک ایک دفعہ مغربی تسلط اور ان کے دست برد سے چھٹکارا حاصل کرلیں اور اسلام میں ایسی اصلاحات نافذ کردی جائیں جن سے زمانۂ حاضرہ کے تقاضوں کی تکمیل کی جاسکے تو مسلمان بھی مغربی اقوام کی طرح ایک جدید اور شاندار نظام زندگی کی تعمیر کرسکتے ہیں۔ غرضیکہ جمال الدین افغانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری کو مقدم سمجھتے تھے اور اپنے مقاصد کو سیاسی انقلاب کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ ان کی تمام تر مساعی سیاسی تھیں لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ان کی تحریک میں اصلاحی پہلو کا فقدان تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمال الدین ایک ہمہ گیر شخصیت کے

---

[۱] محمد عبدہ اپنے استاد کی عنایات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: "إن أبي وهبني حياة يشاركني فيها علي و محروس (هما إخوان له كانا مزارعين) والسيد جمال الدين وهبني حياة أشارك فيها محمداً و ابراهيم وموسى وعيسى والأونبياء والقديسين) أحمد أمين: زعماء الإصلاح في العصر الحديث، (مصر ۱۹۴۸ء) ۲۹۳۔

مالک تھے۔ انھوں نے جس بیداری کا آغاز کیا اس کا اثر تقریباً زندگی کے ہر پہلو میں محسوس کیا گیا۔ ان کے بے شمار مصری شاگردوں میں سے کچھ نے تو ان کے سیاسی مسلک کو اپنایا جن میں احمد ندیم اور ادیب اسحٰق کے نام خاص طور پر مشہور ہیں لیکن ان کی تعلیمات کے اخلاقی پہلو کو ان کے لائق ترین شاگرد شیخ محمد عبدہ نے پروان چڑھایا اور مصر میں جدید اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ خود محمد عبدہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں سید جمال الدین افغانی کے سیاسی مسلک پر چلتے رہے اور ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ سنہ ۱۸۸۲ء کی "عرابی بغاوت" میں انھوں نے ایک سچے محب وطن اور مجاہد کی طرح حصہ لیا اور وہ جلا وطن کئے گئے۔ بالآخر خصوصاً یورپ سے واپسی کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ تدریجی اصلاح اور تعلیم ہی کے ذریعہ مسلمانوں کی حالت سدھاری جا سکتی ہے جو انجام کار سیاسی آزادی پر منتج[1] ہوگی۔ اس طرح شیخ محمد عبدہ سیاست سے کنارہ کش ہوگئے اور اصلاحی کاموں میں ہمہ تن منہمک ہوگئے۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے سر سید احمد خاں کی طرح انھوں نے بھی انگریزوں کا تعاون[2] حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ یہاں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ شیخ محمد عبدہ اپنے ملک کے سیاسی تقاضوں سے بہت حد تک بے خبر ہوگئے اور قومی آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کی بجائے کسی حد تک برطانیہ کی استعماری سیاست کے شکار ہوگئے اور انگریزی حکومت کی رواداری، آزادی اور شائستگی کے گن گانے لگے اور اس کے تاریک پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ بہرحال اس سیاسی غلطی کے باوجود شیخ محمد عبدہ نے زندگی کے دوسرے میدان میں

---

[1] رشید رضا: تاریخ الاستاذ الإمام (مصر، ۱۹۳۱ء) ۱: ۱۲

[2] اس سلسلے میں محمد عبدہ کا یہ فتویٰ مشہور ہے: "قد قامت الأدلة من الكتاب والسنة وعمل السلف على جواز الإستعانة بغير المؤمنين وغير الصالحين على ما فيه خير ومنفعة للمسلمين، وان الذين يعمدون إلى هذه الإستعانة يجمع كلمة المسلمين وتربية أبناءهم و ما فيه خير لهم لم يفعلوا الا ما قد قضته الأسوة الحسنة بالنبي وأصحابه، وأن من كفرهم أو فسقهم فهو بين الأمرين: إما كافر أو فاسق، فعلى دعاة الخير أن يجدوا في دعوتهم، أن يمضوا على طريقتهم، ولا يحزنهم شتم الشاتمين، ولا يغيظهم لوم اللائمين، فالله كفيل لهم بالصبر" إذا اعتصموا بالحق والصبر رشید رضا: تاریخ ۱: ۶۶۶

جو اہم کارنامے انجام دیتے ہیں وہ ان کی عظمت کے ضامن ہیں۔

ہندوستان میں سر سید احمد خاں اور مصر میں شیخ محمد عبدہ کی تعلیمات کے زیر اثر جو اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں ان سب کا محرک ایک ہی تھا یعنی مسلمانوں کے اندر سے صدیوں کے جمود و تعطّل کو ختم کرنا اور انھیں جدید مغربی تہذیب کی برکتوں سے فیض حاصل کرنے کے لئے آمادہ کرنا اور اس مقصد کے حصول کے سلسلے میں مذہب کی تعبیر میں ضروری اصلاح و ترمیم کرنا تاکہ اسلام خود بھی زندہ ہو جائے اور پست حال مسلمانوں کو زندہ کرنے کا باعث بھی بن سکے۔

باوجود اس کے کہ ان دونوں مکاتب فکر کا تاریخی مشن ایک تھا، پھر بھی ان کا زاویۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سر سید احمد خاں نے اسلام کو مغرب کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ سر سید احمد خاں کی تعلیمات میں معذرت خواہانہ انداز کا غلبہ زیادہ ہے وہ اسلام کو عصرِ حاضر کی مغربی تہذیب کے مطابق ڈھالنے کی ہر ممکن یا ناممکن کوشش کو روا رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس شیخ محمد عبدہ ایک مخصوص حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ وہ سلف کے مسلک پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ ان کا اصلاحی مقصد درحقیقت ان کی تحریک کی امتیازی خصوصیت ہے) نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔ ان دو مکاتب اصلاح کے پس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ڈچ مصنف PALJON نے لکھا ہے کہ محمد عبدہ ایک ایسے مذہبی ماحول کے پروردہ تھے جہاں الٰہیاتی علوم سے گہری واقفیت ایک عالم کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی اس کے برخلاف سر سید احمد خاں شرفا کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو مغل دربار سے وابستہ تھا جہاں ایرانی تہذیب کا گہرا اثر تھا اور جسے عام پسندیدگی حاصل تھی۔[1]

سر سید کا خیال تھا کہ ہندوستانی مسلمان جب تک زندگی کے رہن سہن، طور طریقے اور کھانے پینے میں حکمراں طبقہ کے رنگ میں نہ رنگ جائیں گے اس وقت تک ان کا احساس کمتری دور نہ ہوگا اور نہ انگریز انھیں عزت کی نظر سے دیکھیں گے۔ اس کے برعکس شیخ محمد عبدہ کا خیال تھا کہ پوری قوم کو معاشرتی پستی سے نکالنے اور تہذیب و تمدن کی بلند سطح پر اٹھانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مغربی تہذیب

---

[1] J.M.S. Baljon, Muslim Modern Quran-n-Interpretation (LEIDEN, 1961)-P.4-

کا سطحی علم حاصل کر لیا جائے اور ان کی اندھی نقالی کی جائے۔[1] مشہور برطانوی فلسفی ہربرٹ اسپنسر (HERBERT SPENCER) سے محمد عبدہ کی جو گفتگو ہوئی[2] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مغرب کی بڑھتی ہوئی "مادیت" کے کسقدر شاکی تھے لیکن چونکہ ان کے اندر سائنسی نقطۂ نظر کی کمی تھی اس لئے انھوں نے مذہبی روح کے فقدان کو اس کا اصل سبب قرار دیا اور اس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر رہے کہ یورپ کی یہ مادی ہوس دراصل اس سرمایہ دارانہ نظام کا لازمی نتیجہ تھی جو یورپ میں رائج تھا۔ بایں ہمہ محمد عبدہ کو اس امر کا احساس ضرور تھا کہ مغربی معاشرہ سرمایہ داروں اور مزدوروں پر مشتمل دو متخاصم طبقوں میں منقسم ہے جس کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔[3]

محمد عبدہ نے اسلام کی تاویل اس زاویۂ نظر کی جو یورپ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے درمیان سیکولر علوم کے فروغ پانے کے سبب پیدا ہوا تھا۔ انھوں نے اسلام کی تقریباً وہی تصویر پیش کی جو اس سے پہلے سرمایہ دارانہ یورپ میں مسیحیت نے اختیار کی تھی۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ مسیحیت نہیں بلکہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو تہذیب حاضرہ کی روح کے عین مطابق ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے "عالمگیر" مذہب ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں ایسی صلاحیت موجود ہے کہ یہ ہر زمانہ اور ہر ثقافتی دور سے مطابقت پیدا کر سکتا ہے۔ شیخ محمد عبدہ نے مسیحی مصنفوں کے اس دعوے کی شدت سے تردید کی کہ یورپ کی جدید (بورژوا) تہذیب نصرانیت کی رہین منت ہے اس لئے کہ نصرانیت نے سائنس *کو فروغ حاصل ہوا اور اس کے نتیجے میں تہذیب حاضرہ وجود میں آئی۔[4] محمد عبدہ کا کہنا ہے کہ سولھویں صدی میں یورپ میں جو سائنسی اور صنعتی ترقی ہوئی وہ درحقیقت اسلام کی تعلیمات کا نتیجہ تھی۔[5] انھوں نے یہاں تک کہا کہ سوائے مسئلہ انکار نبوت کے اسپرٹ کے لحاظ سے پروٹسٹنٹ PROTESTANTS اوائل اسلام کے

---

[1] رشید رضا: تاریخ ۲: ۱۲۲، ۱۲۳ وغیرہ۔

[2] W.S. Blunt, My Diaries (LONDON, 1932) P.481

[3] عثمان امین: "رائد الفکر المصری" (مصر، ۱۹۵۵ء) صہ ۲۴۹

[4] دیکھئے خاص طور پر محمد عبدہ کی کتاب: الاسلام و النصرانیۃ مع العلم والمدنیۃ۔

[5] رسالۃ التوحید (۱۳۵۳ھ) ۷۵۔

* کی جانب جو روادارانہ رویہ اختیار کیا، اسی کے باعث یورپ میں سائنس

مسلمانوں سے مشابہ ہیں۔[۱] شیخ عبدالمجید سلیم (سابق شیخ الازہر اور شیخ محمد عبدہ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ یورپ سے لوٹنے کے بعد محمد عبدہ نے ان سے کہا:

"میں یورپ گیا اور دیکھا کہ لوگ نام سے مسلمان نہیں ہیں، لیکن عمل سے مسلمان ہیں۔ میں واپس آیا اور دیکھا کہ لوگ نام سے مسلمان ہیں لیکن عمل سے مسلمان نہیں۔[۲]"

درحقیقت جدید اصلاحی تحریک یورپ کی لبرل تحریک کی دین ہے۔ مسلم مصلحین کی عموماً تمام تر توجہ اس جانب تھی کہ اسلام کو ان "بورژوا لبرل خیالات" کی روشنی میں پیش کیا جائے جو انیسویں صدی میں یورپ میں پیدا ہوئے تھے۔ غرضیکہ جس طرح پہلے یہ قدریں مسیحیت کا لازمی جزبن گئیں تھیں اب اسلام کا لازمی جزبن گئیں۔ حالانکہ جیسا پروفیسر کینٹول اسمتھ (CANTWELL SMITH) نے واضح کیا ہے جاگیری عہد میں یہ قدریں ان دونوں مذاہب میں سے کسی کا جزو لاینفک نہ تھیں، نہ تو ازمنۂ وسطیٰ میں مسیحیت کا اور نہ اٹھارہویں صدی میں اسلام کا۔[۳]

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد عبدہ کی تعلیمات میں احیائی میلانات بھی پائے جاتے ہیں[۴] اور وہ غلبۂ اسلام کی بھی باتیں کرتے ہیں[۵] لیکن یہ ان کی تعلیمات کا محض ایک پہلو ہے۔ شیخ محمد عبدہ کی ساری تعلیمات

---

۱ رسالۃ التوحید: مقدمہ۔ محمد عبدہ ایک جگہ لکھتے ہیں: "الا ترى ان نظامهم ...... يقرب من نظام المسلمين كانوا مسلمين." "الإسلام والنصرانية" صـ۱۵

۲ "لقد ذهبت إليها فوجدت مسلمين عملاً لا قولاً، وعدت فوجدت مسلمين قولاً، لا عملاً"......
یوسف موسیٰ الحسینی: الإخوان المسلمون (بیروت، ۱۹۵۵ء) صـ۱۸۶

۳ MODERN ISLAM IN INDIA, (LAHORE, 1947) P.45

۴ حقیقت یہ ہے کہ مسلم مصلحین ایک ہی سانس میں دونوں باتیں کہتے تھے: ایک طرف تو وہ یہ کہتے تھے کہ اسلام جدید خیالات کا منکر نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اسلام میں یہ باتیں پہلے سے بدرجہ اتم موجود ہیں۔

۵ مثلاً آیت قرآنی ۲۴: ۵۵: "وعد الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم، وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم، وليبدلنهم من بعد خوفهم امناً يعبدونني لا يشركون بي شيئاً" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ محمد عبدہ نے کہا، (باقی اگلے صفحہ پر)

اور ان کی زندگی بھر کے کارناموں کا جائزہ لینے کے بعد جو حیثیت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ ان کا اصلاحی اور اخلاقی پہلو ہے۔ اگرچہ وہ مذہب کی اصلاح کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے قبول عام کی سند حاصل ہو جائے اور اسلام کے ابتدائی دور کی عظمت کو بحال کیا جا سکے لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عقل کی حاکمیت پر بہت زور دیا اور روشن خیالی کی تلقین کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی کٹرپن اور احیائی رجحان کمزور ہوا مغربی علوم سائنس اور لبرل خیالات کی ترویج و اشاعت کے لئے زمین ہموار ہوئی۔ محمد عبدہ کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے اسی زاویہ نظر سے دیکھیں۔ اس وقت یہ ممکن ہو سکے گا کہ ان کی اصلاح پسندی پر مذہبیت کا جو پردہ پڑا ہوا ہے اسے علیحدہ کر کے تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین کیا جائے۔

اگرچہ محمد عبدہ کے نزدیک مسلمانوں کو پستی سے باہر نکالنے کا واحد علاج یہ تھا کہ مسلمان قرون اولیٰ کے اسلام کی طرف لوٹ جائیں جسے وہ حقیقی اسلام کہتے تھے مگر اس میں تنگ نظری اور کٹر پسندی کو دخل نہیں تھا۔ ان کا حقیقی اسلام نہ صرف جدید تقاضوں کا منافی نہیں ہے بلکہ اس سے ہم آہنگ ہے۔ جیسا کہ G - ADAMS کا خیال ہے محمد عبدہ ایک طرف دین کی اصلاح کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف وہ چاہتے تھے کہ عوام کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اس خالص دین کو خلوص قلب اور پُرجوش طریقے پر مانیں اور عمل کریں[1]۔ درحقیقت وہ اسلام میں ایک نئی روح پھونکنا چاہتے تھے تاکہ اس کی طاقت سے مسلم عوام کو پسماندگی اور زبوں حالی کی سطح سے اوپر اٹھایا جائے۔ شیخ محمد عبدہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے ساتھ جو وابستگی اور عقیدت ہے اسے اصلاحی مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ مذہب ان کے خیال میں مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ ادب و حکمت، کے ذریعے یہ کام انجام نہیں دیا جا سکتا اس لئے عملی صورت یہی ہے کہ مذہبی بنیادوں پر اصلاح کی عمارت تعمیر کی جائے[2]۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ شیخ محمد عبدہ کا مشن محض مذہبی تھا اور یہ کہ ان کی تحریک کی عمومی نوعیت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) إنّ الله تعالى لما ينجز لنا وعده هذا كله بل بعضه، ولا بد من إتمامه بسيادة الإسلام في العالم كله حتى أوربة المحادية له. رشید رضا، تفسیر المنار ۱۱: ۲۰۴

[1] C. Adams, Islam and Modernism in Egypt. (Oxford, 1933) P. 109

[2] رشید رضا، تاریخ ۲: ۷۵ – ۴۱۰۔

دینی اصلاح کی تھی۔ یہ بات ایک مخصوص حد تک تو صحیح ہے لیکن اگر ہم ان کی تمام تعلیمات اور ان کی زندگی بھر کی گوناگوں مصروفیات پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی تحریک کی نوعیت بنیادی طور پر اصلاحی تھی۔ انھیں اپنی زندگی میں جو بھی مواقع ملے ان کو انھوں نے اصلاح معاشرہ کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے جب کہ وہ جامع ازہر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اصلاح معاشرہ کا خیال ان کے دل میں جاگزیں تھا اور وہ اپنے ہم وطنوں کی زبوں حالی پر دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ مسلم معاشرے پر جمود و تعطّل کا جو گہرا اثر تھا اس سے نا امید ہو کر وہ ایک دفعہ تصوّف کی پناہ گاہ میں پہنچ گئے مگر ان کے چچا شیخ درویش[1] نے انھیں روحانیت کی بھول بھلیوں سے نکالا۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا شیخ محمد عبدہ کو زندگی کے ضروری مسائل کی جانب متوجہ کرنے میں سیّد جمال الدّین افغانی کو بہت زیادہ دخل تھا۔ انھوں نے ہی شیخ محمد عبدہ اور اپنے دوسرے شاگردوں کو پریس کی اہمیت جتائی اور انھیں صحافت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ جمال الدّین کی تعلیمات کے زیر اثر شیخ محمدؔ عبدہ نے مصر کے اخباروں میں مضامین لکھے اور اپنے معاشرے کی جملہ برائیوں پر تنقید کی اور ان کے لئے علاج تجویز کیا۔ اسی جذبے کے تحت انھوں نے اپنے ایک مضمون میں مصر کے اعیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> "اگر ہم اپنی ہلاکت سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ہمسایہ ملکوں کی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے۔ اس وقت یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ مغربی اقوام کی ترقّی اور غلبہ کا راز یہ ہے کہ انھوں نے علوم جدیدہ کو اپنا لیا ہے۔ اب ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم پورے شد و مد سے ان مفید علوم کی اپنے ملک میں ترویج و اشاعت کریں۔ بس یہی ایک واحد طریقہ ہے جس پر چل کر ہم اپنے مافات کی تلافی کر سکتے ہیں اور آنے والی برکات کے لئے مستعد ہو سکتے ہیں[2]۔"

شیخ محمدؔ عبدہ جب مصر کے سرکاری اخبار "الوقائع المصریہ" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تو ایک طرح سے ان کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ اب انھیں ایک ایسا آرگن میسّر آگیا جس کے ذریعہ وہ اپنے اصلاحی خیالات کو

---

[1] رشید رضا: تاریخ ۱: ۱۰۷۔ اس وقت محمدؔ عبدہ کی عمر ۱۵ سال کی تھی اور وہ ازہر میں تعلیم پا رہے تھے۔ محمدؔ عبدہ کے اندر یہ کیفیت پیدا کرنے میں خود ازہر کے طریقۂ تعلیم کو بہت زیادہ دخل تھا جو ہر طرح سے ناقص تھا۔

[2] رشید رضا: تاریخ ۲: ۳۷-۴۵۔

ملک بھر میں پھیلا سکتے تھے بلکہ اثر و اقتدار کے لحاظ سے انھیں مصر کی پبلک زندگی میں ایک اہم درجہ حاصل ہوگیا۔ انھیں یہ آزادی حاصل ہوگئی کہ وہ فاسد افسروں اور بدنیت عہدے داروں کے کردار سے لوگوں کو واقف کریں۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ یہ اخبار اصلاح معاشرہ کا مؤثر ترین حربہ بن جائے چنانچہ وہ اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ ایک سچے مصلح اور معلم اخلاق کی حیثیت سے محمد عبدہ نے اپنے معاشرے کے جملہ نقائص اور بیہودہ رسم و رواج پر کڑی تنقید کی اور انھیں بے نقاب کیا[1]۔ جیسا کہ ایک مصری مصنف عثمان امین نے لکھا ہے:

"شیخ محمد عبدہ بتدریج تعلیم و تربیت کے ذریعہ اپنی قوم کا معیار بلند کرنا چاہتے تھے اور اس میں اجتماعی بیداری کی روح پھونکنا چاہتے تھے"[2]

اس طرح جب وہ جمال الدین افغانی کی محبت میں پیرس سے "العروۃ الوثقی" نکال رہے تھے اور جمال الدین کے "پان اسلامزم" کے زیر اثر تھے اس وقت بھی محمد عبدہ کا اصلاحی پہلو اوجھل نہیں ہوا چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

"نہ تو آنسوؤں سے مردہ زندہ ہو سکتا ہے، نہ افسوس مافات کی تلافی کر سکتا ہے اور نہ غم و حزن مصیبت کو ٹال سکتا ہے۔ عمل ہی فلاح و بہبودی کی کنجی ہے۔ صدق و اخلاص ترقی کا زینہ ہے۔ خوف موت کو قریب کر دیتا ہے۔ یاس اور کم ہمتی ہلاکت کے اسباب ہیں"[3]

انھوں نے کہا کہ "ناامیدی کافروں کا خاصہ ہے"[4]۔

اس سلسلے میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب شیخ محمد عبدہ مصر کے مفتی اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو انھوں نے مختلف موقعوں پر بے شمار فتوے صادر کئے جن میں اصلاحی و اخلاقی جذبہ کام کر رہا ہے۔ در حقیقت انھوں نے اپنی سرگرم و متنوع زندگی میں جتنے بھی عہدے قبول کئے ان میں ان کے اصلاحی مقصد کے پیش نظر

---

۱ رشید رضا: تاریخ ۱: ۱۳۷، ۱۷۵–۱۸۰

۲ عثمان امین: رائد الفکر ۲۹۔

۳ رشید رضا: تاریخ ۲: ۱۸۰

۴ ایضاً ۲: مضمون "الأمل"

مفتی اعظم کا عہدہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے[1]

شیخ محمد عبدہ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح تھی کہ ان کی زندگی کا واحد مقصد اصلاح اخلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجرد بحثوں میں پڑنے سے گریز کرتے تھے اور ہمیشہ ان مسائل سے بحث کرتے تھے جن کا تعلق لوگوں کے اعمال وافکار سے تھا۔ وہ علماء کے اس لئے شاکی تھے کہ ان کی علمی سرگرمیوں کا تعلق لوگوں کی زندگیوں سے بالکل نہیں ہے۔ انھوں نے یہ بات بار بار کہی کہ وہ مباحث جن پر علمائے ازہر کی ساری زندگیاں وقف ہیں اگر ان سے عوام کو اپنی حالت کے بہتر بنانے میں مدد نہیں ملتی تو ایسے علمی مشاغل کی قیمت ایک لمحہ کے برابر بھی نہیں ہے[2]۔ انھوں نے کہا کہ "علم" کی تعریف ہی یہ ہے کہ یہ انسان کو عمل کی جانب راغب کرتا ہے اگر علم سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ علم نہیں کوئی اور شے ہے[3]۔ یہی وجہ ہے کہ جب شیخ محمد عبدہ جامع ازہر کے رواق عباسی میں شہر کے اعیان کے سامنے قرآنی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو وہ ہمیں مفسر قرآن سے زیادہ معلم اخلاق نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی شخص ان کی تفسیروں کے پڑھنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے گا وہ متعدد اُلجھے ہوئے مسائل اور نزاعی بحثوں سے دامن بچاتے ہوئے الگ الگ آیات میں ربط قائم کرتے ہوئے اپنے مقصد کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ان آیات پر توقف کرتے ہیں جہاں سے انھیں اپنے معاشرے کی کسی بُرائی پر حملہ کرنے کے لئے کچھ مواد فراہم ہوتا ہے یا جن آیات کا تعلق لوگوں کی اخلاقی زندگی سے ہے۔ اس سلسلے میں ان آیات کو بھی جو "کافروں" کے متعلق ہیں مسلمانوں کے حال پر چسپاں کرتے ہوئے انھیں قرآن کی نظر میں معتوب گردانتے ہیں[4]۔ ان کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے عثمان امین نے صحیح کہا ہے کہ محمد عبدہ کی تفسیر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مسلم معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں ایک فعال وسیلہ ہے، رُوح اخلاق سے بھرپور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زمانے کے مذاق اور اس کے تقاضوں کے

---

سلہ چارلس اڈمز (CHARLES ADAMS)۔

سلہ رشید رضا: تاریخ ۲: ۹۴۳ ـ ۹۷۵، رشید رضا: تفسیر المنار ۱: ۱۵۲ ـ ۱۵۳۔

سلہ "لاشیء من العلم یعد صحیحاً الا العلم الذی یہدی الی العمل، وھو ذلک العلم المتمکن فی النفس الذی تصدر عنہ الآثار مطابقۃ لہ" رشید رضا: تاریخ: ۲۱۲۔

سلہ احمد امین: زعماء ۳۲۹۔

عین مطابق ہے[1]۔ خود شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر کا مقصد اس مختصر فقرے میں ادا کر دیا ہے:

"قرآن کو اس طرح سمجھنا کہ یہ بمنزلہ دین کے ہے جو لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے[2]"

وہ مزید کہتے ہیں کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سے دوسروں کے اقوال اور ان کے فہم کے بارے میں نہیں پوچھے گا بلکہ وہ ہم سے اپنی اس کتاب کے بارے میں پوچھے گا جو اس نے ہمارے رشد و ہدایت کے لئے بھیجی ہے[3]"

شیخ محمد عبدہ کی تفسیر کے سلسلے میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ بھی سر سید احمد خاں کی طرح قرآن کی مدافعت کے خیال سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ صرف اسی بات کے کہنے پر اکتفا نہیں کرتے کہ قرآن میں غیر سائنسی نظریات کا وجود نہیں ہے بلکہ ان کا اگلا قدم یہ اٹھتا ہے کہ وہ یورپ کے سائنسی ایجادات کو خود قرآن کے اندر سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کی مدافعت کی غرض سے ان آیتوں کی جو عالم ارواح سے متعلق ہیں مثلاً دوزخ، جنت، لوح و قلم اور میزان وغیرہ اور جنھیں قرآن جسمانی اور حسی سمجھتا ہے نفسیاتی تاویلات کرتے ہیں اور ان کی ماورائیت کو کم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں[4]۔ بہر حال یہ محمد عبدہ کی تفسیر کا غالب رجحان نہیں ہے جیسا کہ

---

1. عثمان امین: رائد الفکر ۱۹۶۔
2. "فہم الکتاب من حیث ھو دین یرشد الناس الی ما فیہ سعادتہم فی حیاتہم الدنیا وحیاتہم الآخرۃ" تفسیر المنار ۱: مقدمہ
3. رشید رضا: تفسیر المنار ۱: مقدمہ
4. شیخ محمد عبدہ کے الفاظ میں: عالم الآخرۃ لیس فیہ نمو ابدان ولا تحلل مواد علی نحو ما یکون للاحیاء فی ھذہ الحیاۃ الدنیا بل ذلک عالم خلود وبقاء و اللذائذ فیہا لذائذ سعادۃ و الآلام آلام شقاء فکل ما یقع فی ذلک العالم فانما بینہ وبین ما یقع فی عالمنا وجوہ مشابہۃ لا وحدۃ مجانسۃ .... وھل یلیق بمن خاف مقام ربہ ان یجرؤ علی القول بوجوب الاعتقاد بان المیزان الذی نستعمل القبائل ...." تفسیر عم: ۱۴۶ - ۱۴۷

احمد امین نے واضح کیا ہے۔ ان کی تفسیر کی اصل قدر و قیمت یہ ہے کہ یہ قرآن میں علمی مسائل کا حل ڈھونڈھنے کے بجائے کہیں زیادہ لوگوں کے جذبات کو اُبھارتی ہے اور ان کے شعور کو بیدار کرتی ہے۔[۵۱]

وہ مسائل جن کا تعلق الٰہیات سے ہے، محمد عبدہٗ کے نزدیک محض اخلاقی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عقیدہ جبر و اختیار کا مسئلہ اسلام کی تاریخ کا ایک اُلجھا ہوا باب ہے، اور شدید اختلافات کا باعث رہا ہے، ان اختلافات نے مسلمانوں کو دو فرقوں میں منقسم کر دیا، جو "جبریہ" اور "قدریہ" کہلائے۔ شیخ محمد عبدہٗ کو اس مسئلے سے اسی حد تک دلچسپی تھی جہاں تک کہ اس کا تعلق لوگوں کے اخلاق سے ہے۔ انھوں نے اس اعتراض کی (جو عموماً مسیحیوں کی جانب سے کیا جاتا تھا) "بہ زور مذمت کی کہ اسلام کے عقیدۂ "القضاء والقدر" سے نفی عمل کا کوئی پہلو نکلتا ہے، اور یہ کہ یہ عقیدہ مسلمانوں کے انحطاط کا باعث ہے!

انھوں نے مزید کہا کہ قضا و قدر سے مراد مشیتِ الٰہی ہے، جس کے مطابق انسان اپنے افعال کو ارادۂ خداوندی کی بجاآوری کا آلہ سمجھتا ہے، یہ خیال شیخ محمد عبدہٗ کے یہاں متعدد جگہ ملتا ہے کہ اگر عقیدۂ قضا و قدر کو صحیح طور پر سمجھا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ عقیدہ انسان کی انتہائی سعی و عمل کا مقتضی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ تاریخ میں جو زبردست ہستیاں گذری ہیں، اور جنھوں نے دنیا میں انتہائی حیرت انگیز کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، وہ سب اسی قضا و قدر کے قائل تھے، اور اسی عقیدے نے انھیں ناقابلِ تسخیر قوت اور توانائی عطا کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ، یہ تاریخی حقیقت ہے، کہ عقیدۂ قضا و قدر انسان کی عملی سرگرمیوں کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہُوا، بلکہ اس کے برعکس یہ عقیدہ ان سرگرمیوں کے لئے نفسیاتی طور پر ایک لازمی بنیاد تھا۔[۵۲] جہاں تک مسلمانوں کے اندر بے عملی کا تعلق ہے، اس کی ذمہ دار بہت حد تک صوفیوں کی غلط تعلیمات ہیں، جو صبر اور توکّل کے نام پر لوگوں میں یاس اور قنوطیت پیدا کرتی ہیں[۵۳]۔

---

۵۱ احمد امین: زعماء ۲۳۰

۵۲ رشید رضا: تاریخ ۲: ۳۷۲

۵۳ اولئك الدراويش الخبثاء أو البله الذين يغشون أطراف الجزائر وتونس ولا يخلو منهم اليوم قطر من أقطار الاسلام رشيد رضا تاریخ: ۲: ۴۲۳